اسلام کا نظامِ معاشیات

مولانا انوار الحق صابر کاکاخیل

دنیوی راہوں سے آمدہ نظام ہائے معیشت میں سے کیپٹل ازم کی ابتدا انگلستان سے ہوئی، اور آہستہ آہستہ یہ تمام یورپ پر چھا گئی۔ گو مغربی ممالک اس وقت باہم مسابقت میں رقیب نظر آتے ہیں۔ مگر امریکہ ہو یا برطانیہ، اٹلی ہو یا جاپان آج وہاں کے کل نظام معیشت ایک ہی صورتِ سرمایہ داری کے مختلف رنگ ہیں۔ جیسے علامہ اقبالؒ کہتے ہیں ؎

ہے وہی سازِ کہن مغرب کا جمہوری نظام
جسکے پردوں میں نہیں غیر از نوائے قیصری
دیو استبداد جمہوری قبا میں پائے کوب
تو سمجھتا ہے یہ آزادی کی ہے نیلم پری
مجلسِ آئین و اصلاح و رعایات و حقوق
طبِّ مغرب میں مزے میٹھے اثر خواب آوری
گرمیٔ گفتار اعضائے مجالس الاَمان
یہ بھی اک سرمایہ داروں کی ہے جنگِ زرگری
اس سرابِ رنگ و بو کو گلستاں سمجھا ہے تو
آہ اے ناداں! قفس کو آشیاں سمجھا ہے تو

کیپٹل ازم یعنی وہ سرمایہ دارانہ نظام فسطائیت جس میں ذرائع پیداوار مخصوص طبقے کی ذاتی ملکیت ہوتے ہیں۔ اس میں انہوں نے پہلے پہل ہاتھ سے ہی چلنے والے نجی کارخانے کھولے اور قوانین کی مدد

سے کچھ دولت کمائی پھر اٹھارویں صدی کے آخر میں آہستہ آہستہ دستی کارخانوں کی جگہ مشینری کارخانوں نے لے لی، دستکاروں اور دستکاریوں کا خاتمہ شروع ہوا اور اس طرح چھوٹے تاجر افلاس سے مجبور ہو کر مشینری کارخانوں میں مزدور بنے اور اپنی محنت کو کم سے کم قیمت پر بیچ کر کارخانہ دار بننے کی بجائے مالک مشین کے غلام بنے اور مشینوں کے باعث جب کم سے کم اُجرت پر زیادہ سے زیادہ مال تیار ہونے لگا۔ اور گوداموں میں مال کی فراوانی ہونے لگی اور ساتھ ہی ملک کے مزدور اور غریب عوام کی قوت خرید کم ہوئی تو فراوان پڑا ہوا مال سڑنے اور خراب ہونے سے بچانے کی فکر میں مغربی ممالک دوسرے ممالک پر حرص و آز کی نگاہ ڈالنے لگے اور مرض جوع الارض میں گرفتار ہوئے۔ اور اس طرح نئی منڈیوں کی تلاش میں آج تک ان اقوام کی باہمی مسابقت جاری ہے۔ اور اس تگ و دو کے نتیجہ میں مغربی طاقتوں کی ان اقتصادی رقابتوں کے باعث ایٹم اور ہائیڈروجن بموں کی شکل میں ہلاکت عالم اور ظہر الفساد فی البر والبحر کا نقشہ سامنے ہے۔ فسطائیت کے سرمایہ دارانہ نظام معیشت کے مقابلہ پر اسلام کے اقتصادی نظام کو سامنے رکھئے تو صاف پتہ چلے گا کہ ـــــ

ـــــ چہ نسبت خاک را با عالم پاک۔

اسلام میں بھی پیداوار اور اس کے ذرائع میں انفرادی ملکیت جائز ہے۔ مگر ایک حد تک اور اس شرط کے ساتھ کہ وہ اجتماعی مفاد سے کسی طرح ٹکرانے نہ پائے بلکہ اس کے لئے تقویت کا باعث ہو ـــــ

اسلام کے اقتصادی نظام میں دولت اور ذرائع دولت کا مخصوص طبقہ میں محدود ہو کر عوام کے معاشی ہلاکت کا باعث بننا حرام ہے۔ اسلام میں انفرادی ملکیت اجتماعی حقوق کے زیر اثر ہے۔ چونکہ اسلامی اقتصادیات کی بنیاد عوام کے مفاد اور حاجات کے انسداد پر قائم ہے۔ اس لئے اسلام اکتناز (یعنی جمع خزانہ) و احتکار (اجتماعی حقوق سے بار رہے) کو قابل نفرت قرار دیتا ہے۔ اسلام نے اپنے اس نظام کی بقا کے لئے قانونی اور اخلاقی دونوں طرح کے موثر طریقے اختیار کئے ہیں۔

چنانچہ اسلامی نظام میں ایک طرف سُود، نشہ آور اشیاء کی خرید و فروخت۔ نجس اشیاء کی بیع و شراء جوا اور قمار کی طرح کے کاروبار کو ممنوع قرار دینے کے احکام اور قوانین پائے جاتے ہیں تو دوسری طرف مذموم سرمایہ داری کے استیصال کے طور احتکار و اکتناز کی جگہ انفاق فی سبیل اللہ کا جذبہ بیدار کرنے کی اخلاقی تعلیم بھی دی گئی ہے۔ اسی طرح اگر اسلامی نظام معیشت میں جاگیرداری کے ظالمانہ رسم و رواج کا انسداد اور زکوٰۃ، عشر، صدقات واجبہ، خراج اور وراثت کے لزوم کے بہترین

قواعد اور اصول مقرر رہیں تو اس کے ساتھ ساتھ مضاربت، ہبہ، وصیت، قرضِ حسنہ، عاریت، امانت، صدقاتِ نافلہ، اوقاف اور عقدِ شراکت کے ذریعہ باہم تعاون اور دوسروں کے ساتھ اخوت و ہمدردی کے عمدہ اخلاقی اقدار کو اسلام نے اپنے اقتصادی نظام میں مؤثر جگہ دے کر کائناتِ انسانی کی فلاحِ عام کا بیڑا اٹھایا۔ بلکہ تمام ایسی راہیں بند کر دینے کی کوشش کی جن سے عوام کی تباہی و بربادی پر خواص کی مالی سربلندی کی عمارت تعمیر ہو ـــــــ

دنیوی راہوں سے آمدہ نظام ہائے معیشت میں سے سوشل ازم دوسرا اہم اور قابلِ توجہ نظام وہ ہے، جو آج کمیونزم اور اشتراکیت کے نام سے دنیا میں انقلاب برپا کرنے میں مصروف نظر آتا ہے۔ اس کی ابتدا کیپٹل ازم کے ری ایکشن اور ردِّ عمل کے طور ہوئی۔ جب سرمایہ دارانہ نظام کے ظالمانہ دستبرد نے ایک طرف مزدور طبقہ غریبوں اور فاقہ کش عوام میں بیداری اور شعور کا جذبہ پیدا کر دیا۔ سب نے حقوق کے نام سے شور اور واویلا شروع کیا۔ انجمنیں بنائیں اور بغاوتیں شروع کیں تو دوسری طرف اٹھارویں صدی کے آخر میں پہلے ہیگل اور پھر فریڈرک کے مادّی ذہن نے دنیا کے تمام انسانوں کو پیٹ اور روٹی ہی کے مسئلہ پر اکھٹا کر سکنے کا تصور گڑھ لیا۔ اور پھر اقتصادی امور میں بنیاد قرار دیکر کارل مارکس نے اس علمی نظریہ کو عملاً تمدّنی پروگرام کی شکل دی ـــــــ

اس نظام کا دعویٰ یہ ہے کہ وہ مفادِ عامہ کا داعی اور مزدوروں، کسانوں اور پست و مظلوم طبقوں کا حامی ہے۔ یہ نظام دولت اور ذرائعِ دولت سے انفرادی ملکیت کو مٹانے اور بہ لحاظِ معیشت اختلافِ درجات کے انکار یعنی معاشی لحاظ سے بھی سوسائٹی میں مساوات تسلیم کرنے کا قائل ہے۔ نیز فلسفۂ اشتراکیت میں خدا سے انکار اور الٰہیات کی نفی بھی صفِ اوّل میں جگہ پاتے ہیں۔

انفرادی ملکیت کے کلی خاتمے، تمام افراد میں کامل معاشی مساوات قائم کرنے اور مزدور راج کے قیام کے اشتراکی پروگرام میں کیمونسٹ چالیس پچاس سال کی محنتوں کے بعد کس حد تک کامیاب ہے؟ اس سوال کا جواب واضح ہے کہ جس جس سرزمین میں اس کا مکمل تجربہ کیا گیا ہے، وہاں مسلسل بیش بہا قربانیوں کے باوجود یہ پروگرام تاحال ناکام ہی رہا ہے۔ اور آئندہ بھی اس پروگرام میں انسانی سکھ کا مداوا ڈھونڈنا نری حماقت ہے۔ دراصل قومی ملکیت کا تصور اور انفرادی ملکیت کا خاتمہ انسانی فطرت سے فرار کی غیر فطری راہ ہے ـــــــ

کیمونزم کے نزدیک انسانیت کا پورا کنبہ ایسے بے وقوف جانوروں پر مشتمل ہے، جن کے ہاتھوں میں اگر سرمایہ اور وسائل کی طاقت سونپ دی جائے تو وہ لازماً اسے اپنی نوعی برادری کو نقصان

پہنچانے ہی میں استعمال کرے گا۔ ظاہر ہے۔ کہ انسانی فطرت سے اس حد تک کی مایوسی محض ایک ہیجانہ جذبہ ہے، جسے اسلام کی فطرتِ سلیمہ بہ طیبِ خاطر قبول نہیں کر سکتی۔ اسلام تو انسان کو پیدائشی گنہگار نہیں سمجھتا جس سے انسان دشمنی کے طرز وطور کے سوا کسی بلند اخلاق کی توقع نہ رکھ سکتے ہوئے انہیں جانوروں کے غول سمجھ کر ان سے ملکیت کا حق سلب کر لیا جائے جس فلسفہ میں انسان کو انسان کے شر سے بچنے کے لئے اس کے ہر فرد کی ناک میں سٹیٹ کی رزاقی کی نکیل ضروری ہو اُسے انسانیت کے ذلیل فلسفے کے سوا دوسرا کوئی نام دینا بھی شرافت سے بعید ہے۔ کسی انسان کا دن بھر مالک کے اشارہ پر مشقت کر کے شام کو نپا تلا چارہ وصول کر لینا کسی معاشرے میں انسان کو دھوبی کے بیل، کمہار کے گدھے اور تانگے کے گھوڑے کی حیثیت دینے کے مترادف ہے۔ نیز ہم دیکھ رہے ہیں کہ انسانی فطرت سے مایوس لوگوں نے بھی دولت اور ذرائع دولت کو قومی ملکیت قرار دینے کے بعد مرکزی خزانے اور اس کی تقسیم کے انچارج بنانے کیلئے آسمان سے فرشتوں کو درآمد نہیں کیا ہے بلکہ وہ بھی تو بالآخر اس سلسلہ میں انہی انسانوں میں سے چند افراد کو اس کا نگہبان بنا چکے ہیں جن کے متعلق ان کا فلسفہ یہ کہتا ہے کہ وسائلِ معاش کے انفرادی مالک بن کر یہ موجبِ شر ہی ہوں گے۔ قومی ملکیت زیرِ اثر ملک میں کارخانے، زمینیں اور سرمایہ کی ہر شکل کے ساتھ ساتھ جب پریس اسٹیج اور اظہار رائے کا ہر ذریعہ بھی تو میانہ ہو تو وہاں اگر مثلاً حکومت کے بڑے نوابوں پر اتر آئیں تو حقیقی معنوں میں اس کی روک تھام ناممکن ہی ہو جاتی ہے۔

قومی ملکیت کے اصول پر قائم شدہ اشتراکی حکومت کے خواص کی فطرت میں تشدد اور وہاں کے عام کارکن کے ایک بے جان آلۂ کار ہونے کا تصور ایک بھیانک تصور ہے۔

سرمایہ دارانہ نظامِ معیشت رکھنے والے ممالک میں جو فطرت سرمایہ دار افراد کی ہوتی ہے۔ ٹھیک وہی فطرت قومی ملکیت رکھنے والے سٹیٹ کی خود بن جاتی ہے، کہ بظاہر تو وہ تمام سرمایہ داروں کو نگل لیتی ہے۔ لیکن وہ خود ایک ایسا سرمایہ بن جاتا ہے جس سے مقابلہ کرنے والی کوئی دوسری طاقت سرے سے پائی ہی نہیں جاتی ___ قومی ملکیت کی آدم کشی کا باقی حال اُن ممالک کے صنفِ نازک اور اُن کے بچوں سے پوچھنا چاہئے جہاں مامتا سے مجبور کوئی ماں کارخانے میں حاضری دینے سے اُس وقت تک مستثنیٰ قرار نہیں پا سکتی جب تک وہ ڈاکٹری سرٹیفکیٹ کے ذریعے بچے کے پاس موجود رہنے کی اہمیت ثابت نہ کر دے۔

کامل معاشی مساوات کا نعرہ کمیونزم بھی دنیا کی آنکھوں میں دھول ڈالنے کے مترادف ہے۔

وہاں سٹالن کا معیارِ زندگی تو ٹرومین کے ہم پلّہ ہے۔ لیکن اس کی امت کے افراد امریکہ کے مزدور کے برابر معیارِ زندگی نہیں رکھتے ہیں۔ روس کی جنتِ مساوات میں روز کی روٹی روز کھانے والے بھی ہیں، مگر ساتھ ہی وہ لوگ بھی موجود ہیں جن کی بچتیں کئی کئی ہزار روبل کی مقدار میں بنکوں میں موجود ہیں۔ روس کی جنت مساوات میں پیدل چلنے والے اور کاروں کے مالک پہلو بہ پہلو پائے جاتے ہیں۔ جب قدرت کی جانب سے دماغی اور جسمانی صلاحیتیں مساوی نہیں تو ان کی مساعی کیسے ایک جیسی ہو سکتی ہیں اور جب مساعی برابر نہ ہوں تو ان کے نتائج میں برابر برابر کی حصہ داری کو غیر فطری مساوات ہونے کے باعث کسی منطق سے بھی جائز نہیں قرار دیا جا سکتا۔

انفرادی ملکیّت کی حُرمت اور قومی ملکیت کی حلّت کے قائل ممالک کا یہ نعرہ بھی بڑا دل فریب ہے کہ وہاں مزدوروں کا راج ہے۔ ان کا یہ نعرہ کھوکھلا اس لئے ہے کہ وہاں کے مزدور اس میں شک نہیں کپڑا بننے اور جہازوں کے پرزے بنانے کی مشین تو ضرور چلا رہے ہیں۔ لیکن حکومت کی مشین چلانے میں محض اس حد تک ان کا ہاتھ ہوتا ہے کہ انہیں بھی امریکہ میں "عوام کے راج" کی طرح بس اتنا اختیار ہوتا ہے کہ "تم ووٹ دو" تاکہ تمہارے ووٹوں کے بل پر ہم راج کریں۔ اس طرح وہاں جو ووٹ دینے کے لئے ہیں وہ بس صرف ووٹ ہی دیتے ہیں۔ اور جو راج کرنے کیلئے ہیں وہ راج کرتے ہیں۔

سرمایہ دارانہ نظام اور اشتراکی نظامِ معیشت کے بلند بانگ دعوؤں کی حقیقت آپ کے سامنے ہے۔ اس لئے ہمیں بجا طور پر اب یہ کہنے کا حق ہے کہ انسانوں کے خود بنائے ہوئے نظام چاہے ان کے کتنے ہی مختلف نام اور کتنے ہی مختلف ڈھانچے ہوں ایک ایسے مجموعے کے اجزاء ہیں، جن کا نام اسلامی اصطلاح میں "جاہلیت" ہے۔ یہ تمام نظام وقتی اور عارضی قدروں کو لیکر نئے نئے پیراؤں میں جلوہ گر ہوتے رہتے ہیں۔ ان کے ہر ڈھانچے کو تجربہ تھوڑی مدّت میں ناکارہ قرار دے کر میدانِ تاریخ سے خارج کر دیتا ہے۔ اور پھر ایک نئے ڈھانچے کی تعمیر شروع ہو جاتی ہے۔ ان میں نہ تو توازن ہے نہ اعتدال بلکہ ان کی نشوونما افراط و تفریط کی فطرت سے ہوتی ہے۔ اس لئے یہ اپنی حدود کو آگے پیچھے کرنے پر بھی ہر وقت تیار رہتے ہیں، بخلاف اس کے اسلام کے اقتصادی نظام کا ڈھانچہ کہ اس کا سرچشمہ علمِ خداوندی ہے۔ اس میں دولت اور ذرائع دولت میں انفرادی ملکیت مسلّم ہے۔ اس میں حقِ معیشت کی مساوات کا اعتراف ہے۔ اس میں بلحاظِ معیشت اختلافِ مدارج کا اقرار ہے۔ اس کی اخلاقی قدریں دوامی ہیں۔ وہ رہتی دنیا تک ہر زمانے اور ہر ملک

باقی صفحہ ۲۹ پر